بابا نور والے اور دیگر

"نور والوں کا ڈیرہ"

جب خاں صاحب اردو بورڈ میں بطور ڈائریکٹر مقرر ہوئے تھے، ان کی کل تنخواہ آٹھ سو روپے کے قریب تھی لیکن ہمیں کوئی مالی پریشانی نہ تھی۔ البتہ خاں صاحب کچھ بجھے بجھے، بے زار سے، کچھ روہانسے سے نظر آتے۔ یوں لگتا گویا ان کے اندر کوئی مدھانی چل رہی ہو لیکن کسی قسم کا مکھن اوپر نہ آ رہا تھا۔ میں نے اسے کام کی زیادتی پر محمول کیا۔

خاں صاحب گلبرگ کے دفتر سے بوریا بستر اٹھا کر 299۔ اپر مال میں شفٹ کر گئے تھے۔ یہ زمین خاں صاحب نے اپنے نام سے خریدی تھی کیونکہ مالک مکان شکی قسم کا آدمی تھا اور کسی صورت حکومت کو زمین بیچنے پر راضی نہ تھا کہ کون جانے کس وقت کسی نئے افسر کے آنے پر حکومت یہ زمین واپس کلیم کر لے۔

خاں صاحب نے بلڈنگ میں اردو بورڈ کی کتابیں بیچ کر جو روپیہ اکٹھا کیا تھا، اس سے تعمیر کی تھی۔ حکومت کسی قسم کی اعانت لیے بغیر غالباً یہ پہلی عمارت تھی جو کسی ادارے نے بنائی تھی۔ کچھ یار دوستوں نے خاں صاحب کو مشورہ بھی دیا کہ بلڈنگ تمہاری ہے اب حکومت سے کرایہ وصول کرو لیکن خاں صاحب ایسی باتوں پر ہنس دیا کرتے تھے۔ ان دنوں تو انھیں کسی بات پر ہنسی آتی ہی نہ تھی۔

میں نے حسب عادت نہ تجسس کو راہ دی، نہ اُن کے اندر کے موسم کی کنسوئی لی۔ ان کے اندر کی چومکھی ... کا میں نے کوئی اندازہ نہ لگایا۔ دفتر میں حنیف رامے خاں صاحب کے نیچے کام کرتے تھے۔ حنیف رامے ... اداسی کے دور سے خود بھی گزرتے رہتے تھے۔ ان کے بڑے بھائی رشید احمد چوہدری جب بھی دفتر آتے تو خاں صاحب سے ضرور ملتے۔ ایک بار باتوں باتوں میں نور والوں کے ڈیرے کا ذکر ہوا۔ اس لیے وہ خاں صاحب ... والوں کے ڈیرے پر لے گئے۔

ڈپریشن کی بیماری ازل سے انسان کے تعاقب میں رہی ہے لیکن انسان جب زرعی دور سے گزر رہا تھا، فطرت کے قریب تھا۔ کچی سبزیاں، فصلیں، پھل، جڑی بوٹیاں استعمال میں تھیں۔ اصطبل میں گھوڑے، گھروں پر بھینس، بکری، گائے، بچھڑے اس کی زندگی کو تصنع اور نمائش سے دور رکھتے تھے۔ تب بھی ڈپریشن ہوتا ضرور تھا لیکن یہ مرض موسمی ...

...وروکی طرح جلد صحت سے آشنا ہوجاتا۔ تب ڈیپریشن کا تعلق پیدائشی معذوری کی شکل میں ابھرتا تھا۔ پاگل پن، ...اور ڈپریشن کا زیادہ تعلق ماحول اور تربیت سے نہیں تھا بلکہ کہیں وراثت میں Genetics کی کارستانی ہوا کرتی

لیکن آج کے عہد میں ڈیپریشن کی بیماری نے وبائی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس کی بظاہر وجہ یہی لگتی ہے کہ اب ...ترقی کو صرف مادی ترقی سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ دنوں میں امیر ہونے کا خواب ان کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ کوٹھی، کار، ...کے لیے بڑھیا انگریزی سکولوں کی تعلیم (صرف پرائیویٹ سکولوں کی تعلیم ہی اصل تعلیم سمجھی جاتی ہے) ہر انسان کی ...بن چکا ہے۔

پے در پے کوشش کے باوجود جب نوجوانوں کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا تو نوجوان اپنے آپ کو نکھٹو اور نااہل ...لگتا ہے۔ اس میں مسابقت کی روح ختم ہو جاتی ہے۔ اس کا شعور اسے سمجھاتا ہے کہ وہ دنیا اور دنیاوی زندگی کے لیے ...وہ یہ بھول جاتا ہے کہ اللہ بعض کو بعض پر فوقیت دیتا ہے۔ کسی کو رزق، کسی کو حسن، کسی کو دانشوری سے نوازتا ہے ...اور حسد کے زنغے میں پھنس کر آج کا نوجوان ناکارہ ہو جاتا ہے۔ اس کا ہاتھ حواس خمسہ کی عطا کردہ خدائیہ نعمتوں ...لگتا ہے۔

وہ ایسی مسرتوں سے کنارہ کش ہو جاتا ہے جو جسم کو لذت دیتی ہے۔ روح کی بالیدگی کا تو سرے سے اسے علم ہی ...ہوپاتا۔ جب دونوں پاؤں اکھڑنے لگتے ہیں تو ڈپریشن کا مریض موت کی خواہش کرتا۔ دنیاوی زندگی وہ حاصل نہیں ...روح کے سفر کا علم اسے نہیں ہوتا۔ ایسے میں جو توڑ پھوڑ ہوتی ہے، وہ مسلسل مایوسی کو جنم دیتی ہے۔ ڈپریشن کا مریض ...کے خواب ایسے دیکھتا ہے گویا کسی محبوبہ کے خیالوں میں غرق ہو۔ آج کے عہد میں خودکش حملے اور خودکشی کے ...عموماً اسی ڈپریشن کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کرائم کی دنیا اسی ڈپریشن نے آباد کر رکھی ہے۔

کچھ خوش نصیب ہر دور میں ایسے ہو گزرے ہیں جو ڈپریشن میں جانے کے بجائے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ روح کے ...دنیاوی یافت ایک بڑی رکاوٹ ہے۔ وہ دنیا کو اپنے ارادے اور اختیار سے پس پشت ڈال کر فقیری چال اختیار کر ...ہیں۔ انہیوں کا راستہ، مہاتما بدھ، مہاراجہ رام چندر، ابراہیم ادہم اور بڑے بڑے قطب ولی اسی راہ کے مسافر ہیں۔ وہ ...دولعب سمجھ کر دنیا کے لیے تگ و دو نہیں کرتے اور عجب اتفاق ہے ذہنوں پر اپنی مہر لگا کر چلے جاتے ہیں۔

دھرم پورہ میں بابا فضل شاہ صاحب کا ڈیرہ تھا۔ بابا جی اپنے بچوں سے غافل، دولت کی خواہش سے تہی، جب ...فقرایک ایسی اجتماعی زندگی گزار رہے تھے جہاں وہ ناامید لوگوں کے دیئے میں امید کا تیل ڈالتے اور اسے روشن ...تھے۔

مجھے نہ ڈیرے کا علم تھا نہ رشید احمد چوہدری یا حنیف رامے کی رہبری کا۔ پھر اچانک ایک دن خاں صاحب نے ...ناشتے کے وقت کہا "قدسیہ! حنیف رامے مجھے باباجی نوروالے کے ڈیرے پر لے جاتے رہے ہیں۔ وہاں کا عجب ...ہے۔ ہر طبقے کا آدمی گھومتا پھرتا نظر آتا ہے۔ سارا دن کیکر کی چھال کی گڑ والی چائے ملتی ہے۔ آپ جب جائیں ...آپ کے آگے کھانا لگا دیتے ہیں۔ پیالے میں سالن چھابے میں روٹیاں۔"

''کوئی لنچ ٹائم، ٹی ٹائم نہیں؟''

''نہیں بابا کے ڈیرے پر لنچ ٹائم یا ٹی ٹائم نہیں ہوتا۔ جونہی کوئی داخل ہوتا ہے۔ بابا جی کہتے ہیں لو بھئی خدمت طواف کرو، جانی جان آئے ہیں۔اتنی خوشدلی سے کسی کا سواگت کرتے میں نے کسی کو نہیں دیکھا...... چلو گی دیکھنے'' خاں صاحب نے ڈرے ہوئے اشتیاق سے کہا۔

''ضرور جی ضرور۔''

خاں صاحب کی عادت تھی وہ ہمیشہ کسی نئے خیال، جگہ، شخص، پہیلی سے پہلے خود ملتے۔ سارے حدود اربعہ سے خود واقف ہوتے۔ پھر جہاں کہیں پھسلن ہوتی وہ اس مقام کو گول کر جاتے ورنہ مجھے اس فوٹو گرافر کی طرح جو آپ کے گلے میں کالا کپڑا ڈال کر کہتا ہے ''دیکھو دیکھو یہ قطب صاحب کی لاٹ ہے...... بارہ من کی دھوبن کو سلام کرو...... دیکھو دیکھو گیا آیا......'' مجھے ایسے ہی وہ ہر تماشا دکھا دیتے۔

آپ نے بھی شاید کبھی بچپن میں یہ شعبدہ باز فوٹو گرافر دیکھا ہو جو اپنا کیمرہ، سلائیڈیں، تین ٹانگوں والے سٹینڈ پر رکھ کر کمنٹری جاری رکھتے ہوئے دنیا جہان کے عجائبات دکھایا کرتے تھے۔ خاں صاحب میں بھی ایسے شعبدہ باز کی خو تھی۔ وہ ایک مرتبہ لندن سے جادو کا سامان بھی لائے تھے جس میں رنگ بدلنے والے رومال، جادو کی تاش، ربڑ کی گیندیں شامل تھیں۔ ایک دو مرتبہ انہوں نے خود Jugglery بھی کرنے کی کوشش کی لیکن گھر والے ہمیشہ کی طرح جوش و خروش کے ساتھ متوجہ نہ ہوئے۔

خاں صاحب کو حیران ہونے اور حیران کرنے کی عادت تھی۔ اسی میں ان کی ساری نشو و نما تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ خود تو جادوگر نہ بن سکے لیکن ایک شام انہوں نے بہت سارے ادیبوں کی دعوت کی اور مجھ سے کہا...... ''اس دعوت پر نہ ادبی باتیں ہوں گی نہ غیبت ہی چلے گی۔ ہو سکے تو آپس میں جو شہرت کی ہوس اور حسد ہے اس پر بھی کچھ چڑھا رہے۔ بتاؤ کیا کریں کہ ادیب حضرات ایک دوسرے کی غیبت میں کھسر پھسر نہ کریں اور ان کا دل بھی لگا رہے؟''

میں نے کچھ سوچنا چاہا لیکن وہ سر ہلا کر بولے...... ''پالیا...... پالیا......''

جب کبھی انہیں کوئی نئی بات سوجھتی تو وہ ارشمیدس بن جاتے جو ٹب میں بیٹھا سوچتا تھا کہ کسی چیز کی Buoyancy کیسے معلوم کی جائے اور ٹب میں اس پر انکشاف ہوا کہ جس قدر پانی کوئی مادی چیز displace کرتی ہے وہی اس کی Bouncy ہے۔ ارشمیدس ٹب میں سے برہنہ نکلا اور روم کی گلیوں میں چلاتا گیا...... ''پالیا...... پالیا......'' خاں صاحب اور مجھ میں بھی ''پالیا...... پالیا'' کی ایک پوری روایت موجود تھی۔ ''اس بار میں ماسٹر جگلر بلاؤں گا وہی ان ادیب لوگوں کی سٹی گم کرے گا۔'' خاں صاحب جذبے سے بولے۔

اس دعوت میں احمد ندیم قاسمی، شہزاد احمد، امجد اسلام امجد، عطاء الحق قاسمی، سلیم اختر، مشکور حسین یاد، سہیل احمد اور بہت سے اہم ادیبوں نے ہماری حوصلہ افزائی کی۔ چائے کے بعد ساری ادیب برادری باہر لان میں جمع ہوئی۔ خاں صاحب نے اپنی جادوگری تو نہ دکھائی البتہ ایک پروفیشنل جادوگر کو بلوایا۔ اس نے کچھ ایسے کرتب اور شعبدے دکھائے کہ ادیبوں کو آپس میں باتیں کرنے کا وقت نہ ملا بلکہ انہیں عام انسانوں کی طرح خوش ہونے کا موقع ملا۔

ایک اور مرتبہ یوں ہوا۔ ہاجرہ مسرور تب حیات تھیں اور کراچی سے آئی ہوئی تھیں۔ خدیجہ نے خاں صاحب کو ... کی اطلاع دی تو خاں صاحب بولے ”بھائی بڑی خوشی کی بات ہے لیکن......“

”لیکن کیا؟“ خدیجہ نے پوچھا۔

”اس خوشی کے موقع پر کچھ ہو جائے۔“

”کیا ہو جائے اشفاق بھائی؟“

”کوئی دعوت، کوئی پارٹی......؟“

تو طے پایا کہ ادیبوں کو چائے پر مدعو کیا جائے۔ مجھے ڈاکٹر خاں صاحب نے کہا ”کیا تم ان حضرات کو کچھ پارٹی (Games) کھلا سکتی ہو۔ کوئی Pillow Fight، رسہ کشی، آنکھ مچولی قسم کا کھیل؟“

اس دن سب سے کامیاب کھیل وہ تھا جب سب ادیب دائرے میں بیٹھے تھے۔ ایک ادیب کو میں ایک پرچی ... اور ہدایت دیتی کہ اسے کھولنا نہیں اور دوسرے ادیب کو جلدی سے پکڑا دینا ہے۔ سپیکروں پر موسیقی جاری ہوگئی۔ ... موسیقی رکتی جس ادیب کے ہاتھ میں جو پرچی ہوتی اسے کھول کر اسے پڑھنا پڑتا اور پھر جو سزا اس پر لکھی ہوتی اسے ... ہوتی۔ احمد ندیم قاسمی کے ہاتھ میں جب پرچی پکڑی گئی تو اس پر لکھا تھا ”گانا سنایئے۔“ بیچارے کھیل کی ہدایات ... تھے اور درمیان میں کھڑے ہو کر انہوں نے اپنے دو تین اشعار لحن کے ساتھ سنائے۔ خوب تالیاں بجیں۔

میری سبکی کم کرنے کے لیے خاں صاحب مجھے ڈیرہ پاک لے گئے۔

اس سے پہلے بابوں کا مجھے تھوڑا سا تجربہ تھا۔ یہ قیام پاکستان سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اُن دنوں میری خالہ ... گورنمنٹ سکول میں ہیڈ مسٹریس تھیں۔ میانوالی میں نیازی پٹھانوں اور صوفی حضرات کا ان دنوں زور تھا۔ خالہ ... چپڑاسی جو بنیادی طور پر صوفی تھا، خالہ کے پاس آیا۔

”جی آپ سے ایک عرض کرنی ہے۔“

امیر محمد قریشی خاموش آدمی تھا۔ وہ کبھی ذاتی غرض لے کر ان کے پاس نہیں آیا تھا۔

”کیا بات ہے قریشی؟“

”یہاں سے کچھ دور ڈے والی ہے۔ وہاں ایک شاہ صاحب رہتے ہیں۔ بڑے کرنی والے ہیں۔ کیا پتہ آپ ... تبادلہ کب لاہور ہو جائے۔ ان سے ملے بغیر یہاں سے چلے جانا......“ باقی بات میری خالہ سمجھ گئیں اور شاہ صاحب ... سے ملنے کی ٹھانی۔

خالہ کے ماتحت آپا مبارک کام کرتی تھیں۔ اُن کا آبائی گھر لاہور میں کلکتہ روڈ پر حسین لاج میں تھا۔ باپ ڈاکٹر تھے۔ انہیں انگریز حکمرانوں کی طرف سے خان بہادری کا تمغہ ملا تھا۔ آپا مبارک کو نوکری کی ضرورت نہ تھی۔ وہ فقط شادی سے پہلے وقت کٹی کے لیے کام کر رہی تھی۔ آپا مبارک کی دو بہنیں اور ایک ڈاکٹر بھائی تھا۔

خالہ فیروزہ نے شاہ صاحب کے ایڈونچر میں آپا مبارک کو بھی شامل کر لیا لیکن اس مشغلے کو سکول کے ڈسپلن کے ... سمجھتے ہوئے خالہ نے یہ تجسس آگے نہ بڑھنے دیا۔ چھٹیوں میں جب خالہ حسین لاج آپا مبارک کے ساتھ گئیں تو

دتے والی کے شاہ صاحب بھی وہاں پہنچے۔

آپا مبارک، عزیز آپا اور سعید روزے کے دنوں میں ہمارے پاس دھرمسالے آتے۔ ہمیں جب بھی موقع ہوتا ہم حسین لاج ٹھہرتے۔ سعید کے ساتھ میری گہری دوستی ہوگئی جواب تک قائم ہے۔ مجھے بابوں کا پہلا تجربہ جیسی سعید کے حسین لاج میں ہی ہوا۔ دتے والی کے بابا جی نواب کالاباغ کے بھی پیر تھے۔ ان کی شہرت دور دور تک ہوئی تھی۔ حفیظ اللہ شاہ صاحب کی نیلی آنکھیں، تیکھے نقوش اور ایرانیوں جیسی رنگت تھی۔ وہ نگاہیں نیچی رکھنے اور چہرہ کے پلو سے چھپانے والے بزرگ تھے۔ ان میں کچھ تصرفات ضرور تھے لیکن وہ اغلباً کبھی ان کا اظہار نہ کرتے۔ کبھی بند مٹھی ہوا میں لہراتے۔ پھر اسے کھول کر ہمیں ایسے میوے پیش کر دیتے جو بے موسمی ہوتے۔

حفیظ اللہ شاہ صاحب کی معیت میں ایک پٹواری صاحب بھی ہمارے گھر آیا کرتے جو سورۃ المزمل کے عامل تھے اور سنا ہے کچھ جنات ان کے قبضے میں تھے۔ وہ بآوازِ بلند سورۃ المزمل پڑھتے۔ پھر اللہ ہو اکبر کا نعرہ لگاتے۔ ایک فرش پر مارنے کے انداز میں آگے کرتے اور عالمِ غیب سے موسمی پھل سفید بچھی ہوئی چادروں پے گرنے لگتے۔ ہم حیرت سے انہیں دیکھتے اور فرمائشیں کرتے۔

"مچھلی تو منگوا دیں شاہ جی۔"

"کھانا جو کھانے کو جی چاہتا ہے۔"

"پان...... پان" میری منہ بولی بہن سعیدہ کہتیں۔

وہ اونچے اونچے سورۃ المزمل پڑھتے پھر مٹھی بند کر کے سفید چاندنی پر اشارہ کرتے۔ گرم گرم مچھلی، پان، جلیبیاں، گلاب جامن فرش پر ہوتے۔ میری والدہ نے بھی ان سے سورۃ المزمل کا وظیفہ لیا تھا اور وہ تاحیات پڑھتی رہیں لیکن کسی قسم کی شعبدہ بازی یا تصرف ان کے ہاتھ نہ آیا۔ میں نے اپنے تجربات کا ذکر ان سے نہ کیا۔

ایک مرتبہ ہم سب کلکتہ روڈ پر حسین لاج کے اوپر والے مہمان خانے میں بیٹھے تھے۔ پٹواری صاحب کا عمل جاری تھا۔ پھر یکدم پٹواری صاحب بولے۔ "کوئی جا کر تار پر سے ٹیلی گرام اتار لے۔"

میں باہر گئی، کپڑے سکھانے والی تار پر واقعی ایک تار لٹکی ہوئی ہوا میں ڈول رہی تھی۔

خاں صاحب نے پھر تصدیق کے طور پر میری سٹی گم کرنے کے انداز میں پوچھا۔

"قدسیہ ڈیرہ پاک چلوگی۔"

"ہاں جی ضرور۔"

"تم کبھی پہلے کسی ڈیرے پر گئی ہو؟"

"نہیں خاں جی...... مجھے معلوم نہیں ڈیرہ کیا ہوتا ہے۔"

"بڑی آئیڈیل جگہ ہے۔ بڑا آنند ملتا ہے۔ آدمی ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔"

میں جی میں سوچتی رہتی۔ پتہ نہیں بابا جی نور والے کیسے ہوں گے؟ دتے والی کے حفیظ اللہ شاہ صاحب جیسے

میں جھکی ہوئی، نمی نمی مسکراہٹ ۔۔۔ جمال ہی جمال ۔۔۔۔۔ کہ پٹواری صاحب کی طرح عقل دنگ کرنے والے کسی طرح حیرت کے حوالے کر دینے والے۔

حرم پورہ میں انفنٹری روڈ پر بائیں ہاتھ بابا جی کا ڈیرہ تھا۔ ہم اس پٹڑی پر چل دیئے جو بابا جی کے باورچی طرف جاتی تھی۔

ہم دونوں ایسے داخل ہوئے کہ خاں صاحب دو فٹ آگے تھے اور میں کچھ خوفزدہ سی اچٹتی سی نگاہ ماحول پر ڈالتی رہی تھی۔ بائیں ہاتھ چٹائیاں بچھی تھیں، جن پر کچھ لوگ عبادات میں مشغول تھے۔ دائیں ہاتھ کے چھدرے درختوں سے بکریاں بندھی تھیں۔ ہرا چارہ ڈالنے والے اپنا کام کیے جا رہے تھے۔ ایک پکا کمرہ دائیں ہاتھ تھا، جس کا دروازہ کھلا تھا اور دائیں ہاتھ کھانے پینے کے انتظام میں محمد علی صاحب اور بابا جی بیٹھے تھے۔ چھوٹا سا راستہ تہہ خانے کی طرف جاتا تھا جہاں عموماً بابا جی اپنے مکالمات سے تعلیم فرمایا کرتے تھے۔

ڈیرے کے راستے پر سب سے پہلے بابا جلال سے ٹاکرا ہوا۔

بابا جلال دبلے پتلے سے سبز توب میں ملبوس ملے۔ وہ انسان سے زیادہ پرندہ لگتے تھے۔ غالباً بابا جی ان کی سے زیادہ خوش نہ تھے لیکن مودی خانے کا سارا آٹا، تیل، چینی ان کی تحویل میں ہوتا اور وہ پھدکنے کے انداز میں بات توں میں لگے رہتے۔

ڈیرے کے پیچھے بہت آگے "علاج بالغذا" کا ہسپتال زیر تعمیر نظر آ رہا تھا۔ وہاں مزدور، راج، مستری بڑے وقت کے ساتھ خوش دلی کے ہمراہ دیواریں اُسارنے، پلستر کرنے میں مشغول تھے۔ محمد علی صاحب اور بابا جی کے سامنے چولہے جل رہے تھے، دیگچے چڑھے تھے اور بابا جی کفگیر چلا رہے تھے۔ لنگر تیار ہو رہا تھا۔ بابا جی فضل شاہ نور والے کے شاہ صاحب جیسی نورانی، خوبصورت ڈاڑھی اور چوچہرے پر لیے بغیر باپردہ چہرہ ۔۔۔۔۔ میں نے کبھی بابا صورت کو بڑے غور سے نہیں دیکھا ۔۔۔۔ لیکن اس اسّی بزرگ کے چہرے پر بڑی شائستگی، شانتی اور نمی کی چھاؤں جیسی بشاشت تھی۔

"آؤ جی آؤ جانی جان آ گئے ۔۔۔۔ جانی جان آ گئے۔"

بابا جی کی آواز نے سواگت کیا۔

"میں جی قدسیہ کو لایا ہوں بابا جی۔"

"لو جی ۔۔۔۔ ہماری بیٹی آ گئی ۔۔۔۔ سب خیراں ہو گئیاں ۔۔۔۔ نیچے چل کر بیٹھو جی ۔۔۔۔ نیچے چل کر، دھی رانی آئی ہے آ نی تو۔"

ہمیں بابا جلال نشیبی تہہ خانہ نما کمرے میں لے گئے۔ اوپر کی سطح سے یہ کمرہ دس بارہ فٹ نیچے تھا۔ لیپ کی ہوئی زمین، فرش پر بچھی دریاں، چٹائیاں، عجب سماں، عجب روشنی ۔۔۔۔ ابھی ہم نیچے ہی تھے کہ بابا جلال چائے لے کر آ گئے۔ آبخورہ نما روغنی پیالوں میں گرم گرم لذیذ چائے تھی۔ یہ چائے کیکر کی چھال ابال کر اس میں وافر دودھ اور گڑ ڈال کر بنائی جاتی تھی۔ میں نے اسے گھر پر بنانے کی ناکام کوشش کی لیکن اس کی لذت غالباً بابا جی کی محبت سے کشید کی جاتی

تھی۔ وہ اپنے مستی پہرے میں ایسی نادر چیزیں سیکھ آئے تھے جن کی نقل کرنا ہمارے بس کی بات نہیں تھی۔

چائے پینے کے دوران مجھے خاں صاحب نے بتایا تھا کہ چودہ برس کی عمر میں بابا جی پر جذب کی کیفیت ہوگئی تھی۔ بابا جی پر غلبہ حال ہوا تو آپ آبادی سے دور جنگلوں میں نکل گئے۔ اس عالم میں یا تو بابا جی گریہ وزاری کرتے یا خود کلامی کرتے۔ اس حالت میں منہ سے جو کہہ دیتے پورا ہو جاتا۔ پورے بارہ سال یہی جذب و مستی کا عہد رہا۔ پھر جالندھر میں میاں خدا بخش سلسلہ قادریہ کے حضور حاضر ہوگئے۔ جو کچھ مرشد نے کھلایا بابا فضل شاہ نے کھایا جو پہنایا تن کیا۔ سنا ہے چودہ سال زیرِ تربیت رہ کر چار مقامات پر تصرف ہو گیا.... پہلا قول دوسرا عمل، تیسرا اخلاص چوتھی تصوف کا بی۔ اے پاس کر لیا اور میاں خدا بخش سے لوگوں سے میل جول کی اجازت مل گئی۔

کچھ دیر بعد بابا جی تشریف لائے۔

"ناں ناں وے رانی نے نہیں اٹھنا۔"

بابا جی نے اس وقت ڈھیلا ڈھالا کھدر کا کرتا، کھدر کا تہمد اور موٹی ململ کا صافہ پہن رکھا تھا۔ چائے میں نے دیکھا کچھ مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں اور بار بار پیالے کی منڈیر پر اڑ آتی تھیں۔ میں نے پہلے تو رومال سے ہٹانے کی کوشش کی لیکن پھر ان سے چھٹکارا پانے کے لیے پیالہ پرچ میں اوندھا رکھ دیا۔

"ناں ناں وے رانیے۔ سیدھے کو کبھی الٹا نہیں کرتے۔"

یہ تربیت کا پہلا جملہ تھا۔ میں دو رنگی دنیا کی باسی تھی۔ جہاں الٹا کرنا اپنی ذہانت اور برتری کا ثبوت تھا۔ دوسرے کے نقص بیان کرنے سے اپنی برتری ثابت کی جاتی تھی۔ مجھے یوں ڈائریکٹ انداز میں کسی نے [illegible] خیال تھا کہ بابا لوگ یا تو خواہشیں پوری کرتے ہیں یا پھر جپ تپ، ورد وظیفہ آپ کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں۔ الٹے کو سیدھا کرنے کی ترغیب کبھی نہیں دیتے۔

اس روز کے بعد عموماً میں خاں صاحب کے ساتھ ڈیرہ پاک جانے لگی لیکن میرا رویہ محتاط ہو گیا۔ [illegible] عرصہ وہاں جاتے نہ گزرا تھا کہ بابا جی نے ایک روز مجھ سے ڈیرے پر کڑاہی گوشت پکوایا۔ میں گھر سے اپنی ساز و سامان لے کر گئی۔ جب کڑاہی تیار ہو گئی تو بابا جی نے ذرا سا چکھ کر کہا "کھری ہے کھری...... لیں میم صاحب...... لنگر میں بانٹ دیں۔"

اس وقت خوش ہو کر خاں صاحب نے بابا جی کو دعا دی۔ "بیان اور بڑھ جائے گا۔ بیان اور بڑھ [illegible]

نوٹ! بیان اور بڑھ جائے گا۔"

غالباً یہی وہ لمحہ تھا جب "زاویہ" پروگرام کی نیو رکھی گئی۔ "تلقین شاہ" کو قبولیت کا شرف عطا ہوا۔ سنا ہے روحیں جو اپنے لیے کچھ نہیں مانگتیں، ہر صورت راضی برضا رہتی ہیں۔ ان کی آرزو کو حق تعالیٰ فوراً مان لیتے ہیں اور مستجاب الدعوات بن جاتے ہیں۔ منہ سے جو کچھ لوگوں کے لیے مانگتے ہیں، پورا ہوتا ہے۔

جس طرح مجھے ڈیرہ پاک لے جا کر خاں صاحب نے محوِ حیرت کیا اسی طرح ہولے ہولے بچوں کو بھی دنیا کے مختلف رنگ دکھانے کے لیے ساتھ لے جانے لگے۔ ہم شام کے وقت پی ڈبلیو آر کی کلب میں سوئمنگ کے لیے

تے۔ خاں صاحب بڑے اچھے تیراک تھے اور وہ بڑے آرزومند تھے کہ بچے اس طرح تیرنا سیکھیں گویا مچھلی ہیں۔ بچہ پانی کے چھینٹے اڑاتا شپ شڑپ پاؤں چلاتا تو ان کی رومن ناک پر تھوڑی سی ناخوشگواری کے آثار پیدا ہو جاتے۔ کہتے چاہے بٹر فلائی سٹائل ہو چاہے فری سٹائل تیرنے کی شرط ہے شور شرابہ نہ ہو...... نہ پانی میں نہ اپنے اندر۔

پی ڈبلیو آر کی یہ کلب نہر سے کچھ ہٹ کر اندر کی طرف تھی۔ نہانے کے بعد بچوں کو بھوک لگ جاتی۔ میں گھر سے قیمہ بنا کر لے جاتی تھی۔ اشتیاق منزہ بھی آ جاتے۔ ہم اپنے ساتھ کبھی کبھی آپا صابرہ اور روحی کو بھی لے جاتے۔ اچھی پکنک کا سماں بن جاتا۔

ایک روز پی ڈبلیو آر کے سوئمنگ پول کے بعد اچانک خاں صاحب بچوں کو ڈیرہ پاک لے گئے۔ ہم نے تہہ خانے میں بیٹھ کر لنگر کیا۔ انیق، انیس اور اثیر حیرانی سے چاروں کھونٹ دیکھ رہے تھے۔ پتہ نہیں ان ناپختہ ذہنوں نے اس کا کیا اثر لیا ہوگا؟ اتنا ضرور لگتا تھا کہ اس Exposure سے وہ خوفزدہ سے تھے۔ جب ہم گھر جانے کے لیے تہہ خانے سے نکلے تو اچانک بابا جی کفگیر دیگچہ چھوڑ کر باہر آ گئے۔ انیق احمد خان کی طرف دیکھ کر انہوں نے سوال کیا...... ''بیٹے کا نام کیا ہے؟''

''انیق...... بابا جی انیق'' خاں صاحب نے جواب دیا۔

''نیک ہے انیک...... تمہارا یہ بیٹا مغرب میں چلا جائے گا اور بہت سرفراز ہوگا...... نیک ہے انیک...... نیک ہے انیک......'' کہتے ہوئے وہ لنگر والے اڈے پر واپس چلے گئے اور چوکی پر بیٹھ کر کفگیر سے روغنی پیالے میں شوربہ ڈالنے لگے۔ یوں لگتا تھا گویا انہیں علم ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ گئے ہیں؟ عجب سی بات ہے لیکن 1989ء میں انیق بیٹا امریکہ چلا گیا اور 2008ء تک وہیں ہے۔

بابا جی کے ڈیرے پر جانا، وہیں لنگر کرنا، مزے اڑانا، خالی الذہن ہونا، فکر فاقے سے اپنے آپ کو آزاد کرنا میرا وقت گزارنے کا نیا طریق تھا۔ نہ کبھی ان کے درجات کے متعلق سوچا نہ کبھی اس طرف دھیان گیا کہ ان کے کشف و کرامات سے کچھ مجھ میں تبدیلی آ رہی ہے۔ یہ خاں صاحب کا ڈیپارٹمنٹ تھا۔ وہ پتہ نہیں کس تلاش میں تھے۔ انہیں بابا جی کے اقوال زریں مرہم بن کر لگ رہے تھے۔ وہ ایمان کی نہج درست کرنے کے درپے تھے یا انہیں واقعی خدا کی تلاش تھی؟ اس کا راز کبھی مجھ پر نہ کھلا۔ اتنا مجھ پر واضح تھا کہ بابا جی چند ذومعنی بامعنی اور معنی در معنی جملے بول کر اپنے کام میں مشغول ہو جاتے اور ہمیں ڈاکٹر اشرف فاضلی کے سپرد کر دیتے جو ان کی وصیت کے مطابق قول کے بھی بادشاہ ہیں اور فعل کے بھی بادشاہ ہیں۔ ڈاکٹر اشرف فاضلی صاحب سے ہماری پہلی ملاقات جھٹپٹے کے قریب ہوئی۔ دبلے پتلے، صاف ستھرے سفید شلوار قمیض میں ملبوس ڈاکٹر صاحب ہم سے دور کھڑے تھے۔ بابا جی نے انہیں آواز دیئے بغیر بلایا۔

''سرکار مجھے بلایا؟'' ڈاکٹر صاحب نے پاس آ کر استفسار کیا۔

''یہ ہمارے جانی جان آئے ہیں۔ انہیں اپنے حجرے میں لے جائیے۔''

ڈاکٹر صاحب بہت ذہین، نکتہ بین، بابا جی سے تھوڑی بہت Liberty لیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب ہم سے آگے تھے۔ جب پہلی بار میں ڈیرہ پاک گئی تھی ڈیرے کے راستے پر دائیں ہاتھ مجھے ایک ماڈرن قسم کا اپارٹمنٹ نظر آیا تھا،

جس کے دروازے پر براؤن چینٹ تھا اور دروازہ کھلا تھا۔ صاف ستھرائی، نفاست اور آرائش میں یہ حصہ ڈیرے سے [illegible] تھا۔ ہم اندر گئے نشست گو فرشی تھی لیکن فرش پر قالین اور آرام دہ گدیاں، گاؤ تکیے دھرے تھے۔ قریب ہی پلنگ پر مخمل کی رضائی تھی۔ کمرے میں ہر طرف کتابیں آراستہ تھیں۔

یہاں سے ایک اور Association شروع ہوئی۔ بابا جی گفتگو، تبادلہ خیال کے مجلسی آدمی نہ تھے۔ کبھی کوئی تعلیم دینے پر آمادہ ہوتے انگلی اُٹھا کر فرماتے۔ نوٹ

"تحمل کو فضیلت نہیں رنج کو فضیلت ہے۔"

"ماننے کے لیے جاننا ضروری نہیں۔"

"درد سے مرد بنتا ہے درد نہ ہو تو مرد نہیں۔"

"تحمل سے علم حاصل ہوتا ہے۔"

"سوال نہیں جواب بنو۔"

بابا جی اپنی دانشمندی، تجربہ، فضیلت، احساسِ حق کوزے میں بند کر کے پیش کر دیتے اور پھر مصروف ہو [illegible] چودہ برس مستی پیرہ میں رہنے والا مجذوب بابا اپنی بولی بول کر گزر جاتا۔ اسے تشریح، تعبیر، غرض و غایت سے کوئی [illegible] بس سمت درست کرتا اور باقی سب کچھ آپ کی ذات کے انتخاب کے لیے چھوڑ جاتا۔

ڈاکٹر اشرف فاضلی بڑے خوش گفتار تھے۔ اب ہم جب ڈیرے پاک جاتے ان کے پاس حجرے میں لنگر کرنے لگتے۔ مزیدار چائے بار بار آتی۔ جو کچھ نہ کھا سکتے، ساتھ پیک کر دیا جاتا۔ یہاں کے کھانوں کا بھی جواب [illegible] تھا۔ سارے سالن لذیذ ہوتے۔ ڈیرے پاک کی کوئی ہانڈی کبھی ایسی نہ ملی جسے بدمزہ کہہ سکیں۔ وہ موٹی سبزی ہو یا پرانی دال ہو یا پکا کیے ہوئے کئی سالن، دیسی گھی کا تازہ بگھار، گرم گرم تندوری روٹیاں اشتہا تیز کرنے والے ایسے کسی فائیو سٹار ہوٹل میں ملے نہ کبھی اپنے گھر میں نصیب ہوئے۔

طوائف کے ڈیرے پر تماش بین کے لیے دو ضرورتوں کا اہتمام ہوا کرتا ہے۔ وہاں جنس اور [illegible] انسانی کمزوری سمجھ کر ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ ڈیرے پر صرف اس بات کا دھیان رکھا جاتا ہے کہ بھوکا آدمی درگشتی [illegible] سکتا۔ پہلے بھوکے کی بھوک مٹاؤ پھر اس سے اس کی فہم و فراست کے مطابق جانچ تول کر بات کرو یعنی جس قدر [illegible] کیو ہے۔ بات بھی اس کی سمجھ سے بالا نہ ہونی چاہیے ورنہ قول بے اثر ہوگا اور عمل بھی تبدیل نہ ہو سکے گا۔ جو بات پلے نہ پڑی اس پر عمل کیسا؟

ڈاکٹر صاحب خود کبھی کچھ نہ کھاتے۔ ہمیں ہی کھلائے جاتے۔ ایک روز میں نے پوچھا......"ڈاکٹر صاحب جی کیا شوق سے کھاتے ہیں؟"

ڈاکٹر صاحب نے کہا "کبھی کبھی کوئی ہڈی چوس کر رکھ دیتے ہیں اور فرماتے ہیں ہڈیوں کا چورا [illegible] چاہیے۔ یہ تو کتوں کی خوراک ہے، ہڈیاں ان تک پہنچنی چاہئیں۔ ہڈیوں کو دانتوں تلے دبانے والا عموماً خود غرض [illegible]

ڈاکٹر صاحب باریک بین ہیں۔ بال کی کھال اتارنا ان کے جینز میں ہے۔ وہ فضل شاہؒ کے نوری چہرے [illegible]

...سوتے وقت شہد استعمال کرتی تھی۔ اسے Honey mania تھا۔ وہ اس کی تاثیر، اس کے اجزاء، افادیت سے ...نت تھی۔

یوں لگتا تھا وہ شہد آمیزی کے گُر حاصل کر کے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ شہد کے علاوہ اس نے مجھے اسلام ...گھونٹ ہولے ہولے پینا سکھایا۔ میں ہر مسلمان کو کڑوے کی نظر سے دیکھتا، اس کے ہر عمل کو دیر تک پرکھتا جانچتا ...ے قائم کر لیتا تھا۔ شروع شروع میں جب میں برجی کی محبت میں سر کے بل نہیں گرا تھا تو وہ مجھ پر توجہ صرف کیے ...تی۔ ''Jen Kius ...... کبھی کسی ختنہ شدہ مسلمان کے بچے سے دوستی نہ کرنا۔ وہ تمہیں دغا دے گا لامحالہ۔''

''لیکن ختنے تو حضرت موسیٰ کی امت بھی کرتی ہے برجی۔''

''ہماری اور بات ہے...... لیکن یہ ختنے شدہ کتے بڑے فتنے ہیں فتنے۔''

پتہ نہیں انسان کی یہ کیا کمزوری ہے۔ اپنے میں وہی بات بری نہیں لگتی، دوسرے میں عین مین وہی عیب ناقابل ...تا ہے۔ نو آغازِ محبوبہ سے چھیڑ چھاڑ میں بڑا لطف ملتا ہے۔ میں برجی سے کہتا ...... ''بڑے افسوس کی بات ہے تم ...فلسطین کا جو حال کر دیا پھر بھی تمہارے دل میں ان کے خلاف بغض بھرا پڑا ہے۔''

''یہ ہماری سرزمین ہے۔''

''کیسے بھلی ہے...... زمین تو تمام ساری خدا کی ہے۔''

''اس لیے کہ حضرت موسیٰ اسی ریگستان میں میرے آباؤ اجداد کو لائے تھے۔'' برجی طرارہ بھرتی۔

''اور تم لوگوں نے یہاں آباد رہنے سے انکار کر دیا تھا۔ تم من و سلویٰ کھاتے کھاتے تھک گئے تھے۔ یکدم تم نے ...ز اور مسور کی دال، تگے تھے۔ یاد ہے ......'' میں نے اسے محض گرم کرنے کے لیے کہا۔

برجی نے میرے سینے پر دو تھپڑ مارے اور چلا کر کہا...... ''کرسچین کرسچین!''

''میں نہیں میری ماں کرسچین ہے اور وہ بھی رومن کیتھولک...... میں تو کچھ بھی نہیں، کہو تو یہودی ہو جاؤں۔''

''یہودی ہوتے نہیں...... یہودی پیدا ہوتے ہیں۔ اب پتہ چلا کہ تم یہودیوں کے لیے اتنی سخت باتیں کیوں ...تے ہو۔''

میں اب منانے کے انداز میں کہتا...... ''پیاری برجی! جس قوم میں برجی پیدا ہو جائے اس کے متعلق کوئی سخت ...بات سوچ سکتا ہے۔''

''چلو خوشامدی جھوٹے!''

''اگر ایک بات کہوں تو برا تو نہ مانو گی۔'' میں نے کہا۔

''کہو۔''

''یہ جو اسرائیل کا خطہ ہے جس کے ارد گرد تمہاری گولڈا مائیر کسی کو قدم دھرنے نہیں دیتی۔ یہ جنت تمہیں ...ں نے دلائی ہے۔''

''ناں ناں ناں۔ کوئی یہودیوں کی وجہ سے نہیں منکر...... یہ عیسائیوں کی یہود پرستی نے نہیں اسلام دشمنی نے یہ

خطہ دلوایا ہے۔عیسائیوں کو ہم سے محبت نہیں لیکن انہیں مسلمانوں سے نفرت ہے۔اتنی نفرت اتنی نفرت کہ وہ مس[illegible] کرنے کے لیے یہودیوں سے محبت کرنے کو بھی برا نہیں جانتے۔ہم تو سانجھے دشمن کی محبت میں ایک ہوئے ہیں۔

''عیسائیوں کو یہودیوں سے نفرت......؟توبہ کرو توبہ۔''

''تو جرمنی سے ہمیں نکالنے والے کون تھے؟''

''ہم امریکن تو نہیں تھے۔ہمیں تو یہودیوں سے عشق ہے۔''

میں اسے منانے کی کوشش کرتا لیکن وہ چپ ہو جاتی، اندر سے اُبلتی رہتی۔برجی میں اس قدر جوش و [illegible] عزم، ایسی تیز استدلالی قوت تھی کہ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر پھر اسی موضوع پر گتھم گتھا ہو جاتی۔

ایک روز ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔براڈلاف کی لان پر پانی کی بوندیں، برجی کے براؤن بالوں [illegible] قطرے تھے۔ہم چوری چوری تخلیقی ادب کی کلاس سے نکل کر چھوٹے سے ریستوران میں جا بیٹھے۔کافی کے ساتھ [illegible] سکونز پر شہد لگا کر کھاتے رہے۔اس روز برجی نے مجھے ایک خوبصورت ماؤتھ ہارمونیکا دیا۔میں نے اس پر [illegible] سے بجایا۔

Should old acquaintance be for God

And never brought to mind

جھپٹ کر برجی نے مجھ سے ہارمونیکا چھین لیا اور تختی سے بولی۔''اس لیے کر دیا ہے کہ تم ابھی سے [illegible] واقف کار بنا لو......اچھا شکریہ ہے۔''

ہم دونوں نے کافی ختم کر کے پھر لمبی گھاس گاہوں کا رخ کیا۔بے مصرف اِدھر اُدھر......کبھی مشرق کی [illegible] مغرب کی جانب۔پھر برجی نے یورپ کے پناہ گزینوں کی باتیں شروع کر دیں۔''میری ماں برلن سے بھاگ [illegible] گئی۔فرانس میں بھی نازیوں کا راج تھا۔اس نے تین دن انڈر گراؤنڈ گٹر میں چھپ کر بسر کیے۔پھر وہ ایک نازی [illegible] چڑھ گئی۔اس نے پورا ایک ماہ میری ماں کو وحشیوں کی طرح استعمال کیا اور بعد ازاں فوجیوں کے حوالے کر دیا۔[illegible] میری ماں کا کیا قصور تھا۔بتاؤ اس میں میرا کیا جرم ہے کہ میں یہودی ہوں۔''

میں نے اس کے آنسو اپنے رومال میں جذب کیے اور زہرناک گفتگو جاری رکھی۔''برجی! تم [illegible] صدیوں سے اصل مسکن کی تلاش میں ہے۔یقیناً تم لوگوں نے ظلم توسہے ہیں۔تمہیں تو مظلوموں سے محبت ہونا چا[illegible]

''ہے......ہے ہم ظلم کو کسی روپ میں برداشت نہیں کرتے۔''

''پھر ان فلسطینیوں کے متعلق کیا حکم ہے جنہیں اپنے ہی ملک میں تمہاری وجہ سے جلاوطنی نصیب [illegible] برسوں سے غاروں میں رہتے ہیں اور اسرائیل کی طرف چہرہ اٹھا کر یوں دیکھتے ہیں جیسے زمین سورج کی [illegible] ہے......ہر صبح۔''

برجی کا سر میرے سینے تک آتا تھا، اس نے بازو اٹھا کر میرے سینے پر مکّوں کی بارش کر دی۔

''تم بھی Philistine ہو......فلسطین......فلسطین۔''

جب بر.جی بھڑک اٹھتی تو میرے مسام کھل جاتے۔ میرے لہو کی گردش تیز ہو جاتی۔ میں مکمل طور پر اس کا ...ت جاتا۔ جوں جوں بر.جی بھڑکتی، مجھ میں شہوت کی زیادتی کچھ ایسی ہو جاتی کہ میرا جی چاہتا میں بر.جی کو پلیٹ میں ...کے جسم کے نازک مقامات کو چھری کانٹے سے کاٹ کاٹ کر کھا جاؤں۔

ان ہی دنوں جب بر.جی نے مجھے ہتھیلی پر شہد ڈال کر چاٹنا سکھایا، میں نے اسلام دشمنی کا سبق بھی ورق ورق ...ے پڑھا۔ میں نے اسی کی دوربین لگا کر ہر مسلمان کو جانچنے، پرکھنے اور دھتکارنے کا عمل سیکھ لیا۔ ایسی ہی گرید ...میں مجھے سوڈان کا سیاہ فام داؤد نظر پڑا۔ اس ادیب کی جلد اتنی سیاہ تھی کہ ترچھی روشنی میں اس کی جلد تھوڑی ...نیلی بھی نظر آنے لگتی۔ اس کا قد مجھ سے دو انچ چھوٹا تھا۔ اسے چلتے پھرتے دیکھ کر کبھی احساس نہ ہوتا کہ وہ کسی ...ک کا آدمی ہے۔

اس کی چال میں وقار، چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ، آواز میں مدہم آرگن کا سوز تھا۔ وہ بات سننے سے پہلے بات ...تو دیتا۔ ہر مناظرے میں آپ کو جیت جانے کے موقعے بہم پہنچاتا۔ اپنی چیزیں دوسروں میں بانٹ کر راحت ...تا۔ لوگوں کے چھوٹے موٹے کام کرکے بڑا Honored محسوس کرتا۔ بس میں ہم جماعتوں کی ٹکٹیں خرید کر بھی ...نہ کرتا۔ جب کبھی کسی کے ساتھ کھانا یا چائے کافی پیتا کبھی ڈچ (Dutch) کرنے پر اصرار نہ کرتا بلکہ سارا بل خود ...تا۔ کسی کے ساتھ چلتا تو سارا راستہ چھوڑ کر ذرا سا پیچھے رہ کر ہم سفری اختیار کرتا۔ اپنے لائبریری کارڈ پر دوسروں کو ...فوٹو کرا لینے دیتا۔ اپنے کو پن دوسروں کو مستعار دے دیتا۔ داؤد ساری کلاس سے مختلف تھا۔ شاید اسی اختلاف کے ...ہم سب میں نمایاں بھی تھا۔

"بر.جی! تم داؤد کے رنگ کی وجہ سے اس سے نفرت کرتی ہو؟"

"نہیں...... میرے کئی سیاہ فام لوگ اچھے دوست ہیں۔"

"پھر اس کی آنکھیں، بال...... وہ تم سے مختلف ہے اس لیے۔"

"نہیں۔"

"پھر اس نفرت کی وجہ کیا اس کا اخلاق ہے؟"

"خاک اچھا اخلاق ہے۔ سارا ڈرامہ ہے ڈرامہ...... وہ ساری کلاس سے اپنے احساسِ کمتری کو چھپا کر اپنے ...تر ثابت کرنے کی مصیبت میں پڑا ہوا ہے۔ مسلمانوں کا خاص اخلاقی طریقہ...... ہنگ اِٹ۔"

"شاید یہی انسانی عمل کی معراج ہے۔ اخلاق کی جیت۔"

"بھاڑ میں جائے داؤد، اس کا اخلاق غارت ہو، برباد ہو۔"

"اتنا غصہ، اتنا غصہ...... اس نے کبھی آنکھ اٹھا کر بھی تمہیں نہیں دیکھا۔ شاید سڑک پر وہ تمہیں پہچان بھی نہ ...میں نے اسے چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

"ہاں نہیں دیکھتا۔ یہ کمبخت مسلمان یہ تعدد ازدواج کے بھوکے...... شہوت خورے۔ یہ ہر عورت کو دیکھتے ...ہی ماں بیٹی بہن کسی کو نہیں چھوڑتے حرامی۔ اپنی کزن سے شادی کر لیتے ہیں۔ چوری چوری دیکھتا ہوگا مجھے۔ جانتا

ہے میں اسے قتل کر دوں گی اگر اس نے سید حا دیکھا۔"

"غالباً تمہاری خواہش ہے کہ وہ تمہیں دیکھے، جب نہیں دیکھتا تو تمہاری ہتک ہوتی ہے۔"

پہلی مرتبہ برجی مجھ سے سنجیدہ طور پر ناراض ہوگئی۔ اس نے کلاس میں میرے ساتھ بیٹھنا چھوڑ دیا۔ براڈلاف کی خوبصورت لانوں پر ٹہلنے کے لیے ہم اکٹھے نہ نکلتے۔ مجھے معافی نامہ لکھ کر اسے منانا پڑا۔

اس واقعے کے قریباً دس روز بعد ہم سارے تو آموزادیب رات کو دس بجے ہوسٹل کے کامن روم میں جمع ہوئے۔ ہمیں برجی کی سالگرہ میں شریک ہونا تھا۔ سالگرہ میں شمولیت کے لیے سب کو اپنے اپنے کمرے سے کھانے کی چیز لے کر پہنچنا تھا۔ میں نے شراب کی دو بوتلیں پھولوں کی ٹوکری میں سجائیں اور لٹکتا مٹکتا پہنچی۔ داؤد مجھے دروازے میں ملا۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے راستہ چھوڑ دیا اور بڑے سے کیک کو سنبھالتا ہوا دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا۔

سارا ہنگامہ اس خوبصورت کیک کی وجہ سے ہوا۔ دو فٹ چوڑے اور چھ فٹ لمبے کیک پر ایک نخلستان بنا تھا۔ ہم سب نے اونچے اونچے چیخ کر تھوڑے تھوڑے ٹوٹو کا شروع کیا۔ سب سے خوبصورت آواز داؤد کی تھی۔ کسی نے برجی کو کاٹنے والی چھری پکڑائی۔ کیک پر جلنے والی چھوٹی چھوٹی موم بتیاں جگمگ جگمگ جل رہی تھیں۔ برجی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آوازیں رک گئیں۔ کمرے میں خاموشی چھانے لگی۔

"چلو برجی اتنی تمہید نہ باندھو کیک کاٹو۔"

"میں کسی مسلمان آدمی کا تحفہ قبول نہیں کرسکتی۔ یہ کیک داؤد لایا تھا۔"

داؤد نے آہستہ سے کیک اٹھایا اور غالباً وہ اس وقت محفل سے چلا جاتا، اگر کچھ لوگ اسے پکڑ نہ لیتے۔

"نہیں بھئی نہیں، ہم ہرگز ہرگز نہیں جانے دیں گے۔"

برجی بڑی ہر دلعزیز لڑکی تھی لیکن چوں کہ رفت گیا رنگ میں بھی سارا بار وہی بھرا تھا۔

"جانے دو جانے دو..... میں ایک کالے آدمی کی خاطر اپنی پارٹی خراب نہیں کرسکتی۔"

داؤد جواب دروازے سے تھوڑی ہی دور تھا، یکدم رک گیا۔ جیسے فلموں کے ہیروز کا کرتے ہیں۔ پھر وہ تیز آواز میں بولا۔ "کالا آدمی؟ کیا حضرت آدم سفید تھے..... کیا حضرت موسیٰ کی جلد، حضرت عیسیٰ کا وجود سفید تھا۔ لوگوں نے انہیں اپنے جیسا بنا لیا ہے لیکن وہ صحرائی تھا جیسا نہ تھا، ہم جیسا سیاہ آدمی تھا۔"

اب فضا میں قہقہے ابھرنے لگے۔

"یہ ہے مسلمانوں کی ذہنیت، یہ ہے ان کی عقل اور پھر کہتے ہیں Dark Ages میں ان کی تہذیب سائنس عروج پر تھی۔ یہ تو ان کا علم ہے اب۔" برجی نے اونچی آواز میں کہا۔

کہیں سے ایک کریم رول اڑ کر داؤد کے ماتھے پر لگ کر ہی پر گرا۔

"مسلمان Barbarians تو ہوتے ہی ہیں۔ آج پتہ چلا احمق بھی بلا کے ہیں۔ کیک لے آیا ہے بے وقوف۔" برجی کی ایک دوست بولی۔

کہیں سے ایک اور آواز آئی۔ ”بھئی تم لوگ توحید پرست کہلاتے ہو تو پھر مکہ میں جا کر حجر اسود کیوں چومتے
بت پرستی نہیں ہے؟“

”Idolatry...... بت پرستی...... بت پرستی......“ کچھ کورس میں کہنے لگے۔ اب عیسائی اور یہودی اسلام دشمنی
ب بن گئے۔ کہیں سے ایک سینڈوچ داؤد کے سر کو چھو کر دیوار سے ٹکرائی۔

”شیم شیم اتنی شادیاں۔ عورتوں کے حقوق نہیں جانتے تم مسلمان لوگ۔“

اب جیلی کا ایک تودہ داؤد پر آ گرا۔ اس کے خوبصورت سوٹ پر جابجا گوشت کے لوتھڑے سے چپک گئے۔
پ ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اپنے سامنے دھری چھوٹی سی میز پر کیک دھر دیا۔ اسے نخلستان کی پروا تھی نہ اپنے
تے والی چیزوں کی۔ وہ آسانی سے اس ذلت سے بھاگ بھی سکتا تھا لیکن نہ جانے وہ صبر کی کونسی کیل تھی جس
گیا۔

کسی کسی لمحے میں بڑا جادو ہوتا ہے۔ موقع فراہم کیا جاتا ہے آپ کی جہت سمت بدل جاتی ہے۔ میں پتہ نہیں
د کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ برجی بھاگ کر میرے پاس آئی۔ اس نے ہمیشہ کی طرح میرے سینے پر مکے مارتے
”اس کے سامنے سے ہٹ جاؤ جنٹلمز۔“

پتہ نہیں کیوں میری ساری محبت کہیں کافور ہو چکی تھی۔ میں نے برجی کے دونوں ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”اپنے سارے
لے کر باہر چلی جاؤ ورنہ تمہارے لیے اچھا نہ ہوگا۔“

محفل خاموش ہو گئی۔

میں نے پلٹ کر داؤد کی طرف دیکھا۔ اس کے آبنوسی چہرے پر آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔ وہ اپنے سامنے
کے نخلستان کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

”داؤد......“ میں نے اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

”مجھے رحم کی ضرورت نہیں ہے دوست۔ میں ان کی ہر بات کا جواب دے سکتا ہوں لیکن میں...... طائف پہنچ
میں نے اس لمحے صلح نامہ حدیبیہ کو اپنے پر وارد ہوتے پہچان لیا۔ میں کوڑا پھینکنے والی مائی برجی کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔
وں کے نبی نے تو دوسرا گال پیش کرنے کا حکم دے رکھا ہے...... پھر...... پھر یہ سب کیا ہے؟“

وہ چپ چاپ کیک وہیں چھوڑ کر بڑے بڑے قدم دھرتا چلا گیا۔

اس وقت بابا جی نور والے اندر آئے۔ پتہ نہیں وہ بروقت آنے کا علم کیسے جانتے تھے۔ شمس نے اپنی رام کہانی
سروقد کھڑا ہو گیا اور بابا جی سے کہنے لگا۔ ”بابا جی! میرے وطن میں اتنا علم ہے، اتنا عمل ہے۔ ہم علم میں اس قدر
میں ہو چکے ہیں کہ کامن پن کا سرا کہیں اور بنتا ہے اور اس کی سوئی کہیں اور تیار ہوتی ہے۔ ہم میں specialize
کا رواج ہے۔ ہم Communication کے دور سے گزر رہے ہیں۔ یہ کیا چیز ہے Specialization اور
Communica ۔ ہم وہ تمام جنسی خیالات جو چار سال کی عمر میں ہم پر سکول سے وارد ہوئے۔ سب دوسروں سے
commu کرنا چاہتے ہیں۔ پوچھے پوچھے ہولی مین سے کیا افہام و تفہیم اس قدر ضروری ہے۔ کیا برجی کی طرح

مجروح کرنے والا سچ بولنا ضروری ہے؟''

بابا جی نے فرمایا۔ ''پُت شمس! سچ اپنے متعلق بولا جاتا ہے اور اس وقت بولا جاتا ہے جب آپ کو مدحت
ضرورت ہو اور آپ لوگوں کی نظر میں اپنا قد گھٹانا چاہتے ہوں۔''

خاں صاحب نے بابا جی کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ''اور بابا جی افہام و تفہیم کے لیے بولنا۔''

''یعنی مناظرہ کرنا۔ بحث مباحثے میں داخل ہونا۔''

''جی ہمیں تو Discussions کا بہت شوق ہے۔'' خاں صاحب نے اعتراف کیا۔

''جان لو صاحبو! مناظرہ جب بھی ہوتا ہے کم علمی کی وجہ سے ہوتا ہے اور شوکتِ نفس کے لیے کیا جاتا ہے
ساری محفل کو ایک اُمی نے چپ کرا دیا۔

جب ترجمہ کر کے شمس کو معنی سمجھائے گئے تو اس کی نیلی آنکھیں جیسے وجد میں بھر آئیں اور پھر ہو...
کہنے لگا۔ ''داؤد سچا تھا...... داؤد سچا تھا...... ایک اور بھی علم نافع ہے نہیوں کا علم...... جسے آج کا پڑھا لکھا Secular
بھولتا جا رہا ہے۔ بھولتا جا رہا ہے۔ بدنصیب۔''

بابا جی گویا شمس کے سوال کا جواب دینے آئے تھے۔ ترنت ہی وہ واپس چلے گئے اور اس سے آگے کو...
کی۔

شمس کی باتیں سن کر میں سوچنے پر مجبور ہوگئی۔ کیا شمس مغرب کے ایسے والدین کا بیٹا تھا جو دنیا بھر کی...
کم عمری میں بچوں کو پیش کر کے زندہ رہنے کی Excitement بچوں سے چھین لیتے ہیں، جو سات برس سے جنسی...
شکار ہو کر بیس برس کی عمر میں گرہست آشرم میں داخل ہو جاتے ہیں اور چند سال یہاں بسرام کر کے جنگلوں...
شہروں میں، نئے کلچروں میں اپنا آپ گنوانے کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں۔ کیا ہپی تحریک ایسے ہی سرچشمہ...
ہاری تحریک تھی؟

یا شمس کسی ایسے گھرانے کا چشم و چراغ تھا جہاں ماں باپ بچے کو کوالٹی ٹائم دے کر بری الذمہ ہو جاتے...
جہاں ماں باپ کو علم نہیں کہ دھرتی تو ہمہ وقت سورج چاہتی ہے۔ بچہ تو ہمیشہ ماں باپ کی توجہ کا طالب ہوتا ہے...
ہو کر اپنی ذات کو کھو بیٹھتا ہے۔ اسے کسی کوالٹی ٹائم سے سیر نہیں کیا جا سکتا۔

کیا شمس مہاتما بدھ کا پیروکار تھا...... سب کچھ تیاگ چکا تھا۔

کیا شمس صابئین میں سے تھا؟ ایسا پرہیز گار جو بستی بستی تلاش حق میں نکلا کرتے ہیں؟

ہو سکتا ہے وہ سی آئی اے یا کسی اور فارن ایجنسی کا ایجنٹ ہو جو بھیس بدل کر جیبوں میں ننھے ٹیپ ریکارڈ...
کر جگہ جگہ کی رپورٹ بھیجا کرتے ہیں؟ ہو سکتا ہے کہ وطن واپسی پر شمس ہمارے لوک ریت میں ڈوبے پسماندہ ملک...
کتاب لکھنے والا ہو جیسی مارگریٹ میڈ، روتھ Benedict نے لکھی۔ رسم و رواج، لوک ریت، دھرم راج کی گنجلک...
مجھے بھی ہمیشہ کی طرح شمس کی اسلام قبولی پر پورا اعتماد نہ تھا۔ میں بھی سونے میں کھوٹ کی تلاش میں تھی۔

شمس خاں صاحب کے قریب بیٹھا تھا اور بڑی رازداری سے کہہ رہا تھا...... ''پتہ نہیں کیوں میں آپ...

پر مجبور ہوں لیکن کوئی چیز مجھے اکساتی ہے کہ میں سب کچھ بتاؤں۔ چھوٹی چھوٹی تفصیل۔ شاید میں اپنے اوپر
تا ہوں۔ سنیے اشفاق صاحب! میں ایک مرتبہ زبردست اسلام دشمنی کا شکار بھی ہو گیا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم
نفرت کا چکر پورا مکمل ہو جاتا ہے تو پھر محبت کا دائرہ شروع ہو جاتا ہے۔ پنڈولم بھی ایک ہی سمت میں

جملہ بول کر شمس خاموش ہو گیا۔ اس نے اپنا سر زانو پر دھر لیا۔ اس وقت نہ جانے وہ قونیہ میں تھا کہ براڈلاف
نستان کے کسی زاویے میں بیٹھا تھا کہ عراق کی گلیوں میں۔ ہم نے اسے واپس لانے کی کوشش نہ کی اور چپ
گئے۔

خاں صاحب بہت آہستہ آہستہ کھانا کھاتے تھے۔ خاص کر جب ان کے سامنے والے دانت اور پچھلی داڑھیں
وہ تیزی سے کھانا چبا نہیں سکتے تھے لیکن ممن آباد میں ہی جب ان کا وزن بڑھنے لگا اور وہ پہلی بار ڈائٹنگ کی
ہوئے تو وہ ایک ٹفن دان خرید لائے۔ اس کے تین ڈبوں میں سبزیاں اور نچلے ڈبے میں پانی ڈالا جاتا تھا۔ پھر
چولہے پر رکھ کر پکاتے۔ نچلے پانی میں بھاپ پیدا ہوتی اور سبزیاں اسی بھاپ میں پک جاتیں۔ پھر احتیاط سے ڈبہ

عموماً یہ ٹفن کیریر یا تو محمد علی کھولتا یا پھر خاں صاحب خود دھیان سے اسے نکال لیتے۔ انہیں معلوم تھا کہ میں
ہوں۔ میں ڈبہ کھولتے ہوئے گرم پانی اپنے پر انڈیل سکتی ہوں۔ خود گر کر ڈبے کو اپنے اوپر گرانے کی اہل ہوں۔
بے دھیان، اپنے خیال میں مگن قسم کی روح تھی کہ ٹوتھ برش پر پیسٹ لگانے کے بعد ٹیوب کو ڈھکنا لگانا بھی بھول
جاتی۔ ٹیوب بند کرتے اور پھر اپنی مونچھوں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے کہتے ''آرام دیجیے ڈھکنا تو لگا دیا
ٹیوب سوکھ جاتی ہے۔''

ان کے موٹاپے کا مجھے تب کم احساس تھا اور انہیں زیادہ۔ جب ان کے دانت نہیں ٹوٹے تھے لیکن تب بھی وہ
آہستہ آہستہ چبا کر اور مزے مزے سے کھاتے تھے۔ جیسے اللہ کی نعمت کو انجوائے کر رہے ہوں۔ اس کے برعکس
میں ایسے کھانا کھاتی ہوں جیسے کتے پیچھے بھاگ رہے ہوں۔ ہر نوالے کے ساتھ میرے دماغ پر ان کاموں کی
جاتی ہے جو نپٹانے سے رہ گئے۔ خطوں کے جواب، فون کال، سفارشی خط، استری والے کپڑے وغیرہ وغیرہ۔
یہیں مجھے آرام سے بیٹھنے نہیں دیتیں۔

عمر کے ساتھ ساتھ زندگی کو لیمن ڈراپ کی طرح چوسنے کا فن خاں صاحب کی عادت بن گئی۔ وہ بات کرتے تو
ذہن کرنے کے لیے، کھانا کھاتے تو کام و دہن کو خوش کرنے کے لیے۔ لباس پہنتے چاہے وہ کھدر کا کرتہ ہی
بڑے اہتمام سے۔ سوچتے تو ایک ٹانگ زانو کھڑا کر کے دوسری ٹانگ کو آدھی چوکڑی کی شکل میں اس طرح
میرے پاؤں کو ہاتھ سے ٹپٹانے کے لیے خالی رکھتے۔ انہیں اس طرح نیم دراز آسن میں دیکھ کر لگتا جیسے آنند
سادھو کسی مٹھ میں سمادھی لگائے براجمان ہے۔

وہ ہر کام کو پورا وقت دے کر اس کا احترام کر کے اس پر پوری توجہ صرف کر کے کیا کرتے تھے۔ سر کہ ڈالنا ہو،

انگیٹھی پر کباب لگانے ہوں، جڑی بوٹیاں کوٹنی ہوں، سکرپٹ لکھنا ہو۔ وہ کبھی بھاجڑ، بھگدڑ، بم پٹاخے سے بھاگ کرتے۔

یہ بات تو میں وثوق سے نہیں کہہ سکتی کہ اشفاق احمد صوفی تھے یا نہیں تھے لیکن میں نے کالج میں ہی جان لیا کہ ان کے تیور مختلف ہیں۔ ان میں وہ باتیں عام لوگوں جیسی نہ تھیں۔ صوفی اور عام خلق میں واضح فرق Handling کا ہے۔ اپنی فطرت کی سطح پر صوفی بھی ان ساری برائیوں میں وقتاً فوقتاً گرفتار ہوتا ہے جس سے دوچار رہتا ہے۔ گندا اور صاف لہو ہر خاکی کے اندر بہتا ہے۔ وہ ہر مقام پر دوئی سے نبرد آزما ہے۔ صوفی بھی اپنے نفس میں مبتلا رہتا ہے اور کبھی کبھی ناکام بھی ہو جاتا ہے۔

اسے بھی عشق ہو جاتا ہے۔

وہ بھی جھوٹ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔

وہ بھی قرض لے کر مکر سکتا ہے۔

حقوق العباد سے غافل ہو سکتا ہے۔

وہ ہر مقام پر ہر وقت اسی طرح خطرے کی زد میں رہتا ہے جس طرح آپ اور میں رہتے ہیں لیکن صوفی اپنے چھوٹے بڑے گناہوں کو ہم سے مختلف طریق سے حل کرتا ہے۔ وہ اللہ کی قائم کردہ سرحدوں کو جہادِ نفس کرنے میں مصروف رہتا ہے۔ جو عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہو یا اپنے آپ کو معاف صوفی جلد یا بدیر اللہ کو راضی کرنے کا فن جانتا ہے۔

خاں صاحب نے مجھے نسخہ تو نہیں بتایا لیکن قرائن سے لگتا ہے وہ اللہ کو منانے، راضی کرنے اور اپنا کار کا فن جانتے تھے۔ دوسرا اہم کام خلق کی رعایت سے ہوا کرتا ہے۔ صوفی برائی کرنے والے سے اللہ کی مخلوق سمجھ کر جاتا ہے۔ چور کی چوری کو برا فعل سمجھتا ہے لیکن چور سے نفرت نہیں کرتا بلکہ چور کو قطب بننے میں مدد دیتا ہے۔ جھوٹ سے نفرت کرتا ہے، جھوٹے سے قطع تعلق نہیں کرتا۔ شرابی کی اس Failing پر ناخوش ہوتا ہے، لیکن شرابی کو نہیں چھوڑتا۔

خاں صاحب ہر قسم کے لوگوں سے ملتے تھے۔ جن میں سارے شرعی عیب تھے، ان سے بھی اور وہ بھی چھپ کر عیبوں کی چھالیہ چباتے رہتے ہیں۔ میں نے انہیں کبھی کسی کو اس کے عیب کی وجہ سے چھوڑتے نہیں دیکھا، گوشمالی کرتے۔ نہ نکتہ چینی۔ شاید چپکے چپکے دعا کرتے رہتے ہوں۔ شاید صدقہ خیرات کرتے ہوں لیکن اعلانیہ نہیں۔ نے مجھے نسخہ تو نہیں بتایا لیکن میں نے ان کی صحبت میں کئی ایسے لوگ دیکھے جو راستہ بھولے ہوئے تھے اور پھر اپنی خوشی سے لوٹ آئے۔

میں نہیں کہہ سکتی کہ خاں صاحب صوفی تھے لیکن بدی کی Handling میں ان کا وطیرہ صوفیوں جیسا تھا۔ Wisdom کے ساتھ ساتھ یہاں کی Folk Wisdom پر بھی ایمان تھا۔ وہ ایسے محاورے اکٹھے کرتے جو مشعلِ راہ ہو سکتے ہیں۔ شاید اسی بصیرت کی تلاش انہیں بار بار نور والوں کے ڈیرے پر لے جاتی۔ کچھ محاورے

کے لیے رقم کرتی ہوں۔

1-ہونٹوں میں نیشکر بونا۔

2-بھیڑ کو بھیڑیوں کی حمایت میں جانے کی ترغیب دینا۔

3- کسی سوئی کی دو تیز نوکیں نہیں ہوتیں۔

4-وہ شیر کی طرح پنجے سکیڑ کر بیٹھا ہے۔

5-ایسی آری کی طرح جس کے دونوں طرف دندانے ہوں۔

6-مٹر کا دانہ اپنی پھلی کو بھول جاتا ہے۔

7-جونک سانپ بننا چاہتی ہے۔

8-آگ لگ جانے پر کنواں کھودنا۔

9-ایک گونگے آدمی کے خواب کی طرح۔

10-وہ چیتھڑوں کی آگ ہے۔

11-قند کا بنا ہوا تیلا۔

12-مردہ گھوڑے کو نعل بندھوانا۔

13-جو درخت پر چڑھتا ہے وہ دوگنا دیکھتا ہے۔

14-شکر میٹھی ہوتی ہے خواہ اندھیرے میں ہی ملے۔

15-درمیان سے کٹے ہوئے درخت تلے لیٹنا۔

16- کیا سینگ بیل کے لیے بہت بھاری ہیں۔

17- گدھے کے لیے کنگھی۔

18-بیوہ سے شوہر مانگنا۔

19-نہ میں شہد مانگتا ہوں اور نہ ڈنگ چاہتا ہوں۔

20-ایسا گاؤں بسانا جہاں پانی نہ ملتا ہو۔

21-جب جھاڑی ہی کھیت کھانے لگے تو پھر حفاظت کون کرے گا۔

22- کیا تم اس درخت سے پھانس لے مروگے جسے تمہارے باپ نے لگایا تھا۔

23- تیل کا پیمانہ ہمیشہ چکنا ہوتا ہے۔

24-غصے والی عورت سے ٹپکنے والا گھر بہتر ہے۔

25-بینگن کے تخم سے کدو پیدا نہ ہوں گے۔

26-اگر کپڑا کسی خاردار جھاڑی پر پھیلا ہو تو اسے احتیاط سے اُتارنا چاہیے۔

27- تمر ہندی خشک ہو کر بھی املی ہی رہتی ہے۔

28- جو محبت کرتا ہے محنت کرتا ہے۔ (پشتو)

29- چاقو اپنے دستے کو نہیں کاٹتا۔

30- ریچھ پہاڑ میں بوعلی سینا بنا پھرتا ہے۔

نوروالوں کے ڈیرے پر بھی خاں صاحب ایسی ہی بصیرت، ایسے ہی اقوال زریں کی تلاش کرنے جاتے وہاں میں اور خاں صاحب تو ڈاکٹر اشرف فاضلی سے مل چکے تھے لیکن عفت کی ملاقات چند دنوں بعد ڈاکٹر اشرف سے ہوئی۔ ہم دونوں جانتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کے متعلق بابا جی پیش گوئی بہت پہلے کر چکے تھے کہ ڈاکٹر صاحب بھی بادشاہ ہیں اور ویسے بھی بادشاہ ہیں۔

یہ ایک اور علم تھا۔ اس تک ہماری رسائی نہ تھی۔ اس سے پہلے سدا سہاگنوں اور شمس کی ملاقاتوں نے تذبذب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ اپنی مغربی تعلیم اور ڈاکٹری کی تعلیم کے باعث ایسے غیبی علم کے متعلق بڑے شکوک اسے غالباً کسی علم پر یقین محکم باقی نہ رہا تھا۔

اس روز ہم حسب عادت دھرم پورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ریل کا پھاٹک گزرتے ہی کوئی آدھے فر دور خانہ بدوشوں کی جھگیاں تھیں۔ ان کے سنپولیے اور بچوں ہی جیسے پیارے پالتو کتے کبھی کبھی ریل کی پٹڑی کراس کرتے تھے۔ دوسری طرف کائی جمے جوہڑ کے کنارے پہلے ہم خستہ بغل در بغل آباد گھروں میں کلرک نما لوگوں کا تھا۔ جوہڑ کنارے اُگنے والے نرسلوں کے باعث یہ گھر پکی سڑک سے بڑی دور دور لگتے تھے۔

لیکن خانہ بدوشوں کی نگری...... اپنی مٹیالی عورتوں، ننگ دھڑنگ بچوں، سلور کے برتنوں اور ڈبو کتوں کافی نزدیک محسوس ہوتی ہے۔ ریل کے پھاٹک سے بازار تک کوئی آدھ فرلانگ راستہ تھا۔ بازار سے گزر کر دونوں جانب مڈل کلاس شرفاء کے مکانات بھی تھے۔ ان لوگوں نے مکانات کو پختہ بنانے کی کوشش میں سریے، پکے قفل، کنڈیاں زنجیروں سے یوں گھر ٹھونس رکھے تھے کہ گرمیوں میں یہ تین پانچ مرلے کے مکانات جاتے۔

اسی گرمی سے بچاؤ کے لیے چارپائیاں باہر نکل آتیں۔ لوگوں نے نیم، دھریک اور کیکر کے درخت رکھے تھے۔ صرف دور ایک املتاس کا درخت اس ساری سڑک کی زینت اور بابا جی کا سمبل تھا۔ جب ہم ریل کے پہنچے تو بجلی سے چلنے والی ریل کھٹا کھٹ کھٹا کھٹ گزر رہی تھی۔

خاں صاحب نے بریک لگائی۔ گاڑی کے گزرنے کا انتظار کیا اور پیچھے مڑ کر پوچھا "تھک تو نہیں گئیں"

تھکی ہوئی غنودگی کا شکار عفت بولی...... "نہیں اشفاق بھائی ٹھیک ہوں۔"

"بس اب پہنچے ہی سمجھو۔"

پھاٹک کھلا۔ نرسلوں سے ڈھکی آبادی میں کوئی کوئی بتی روشن ہو چکی تھی۔ ہم جلد ہی ڈیرہ پاک کے املتاس کے درخت تلے پہنچ گئے۔ اس درخت سے ڈیرے کی چوکھٹ تک ستر اسی فٹ کا فاصلہ تھا لیکن یہ راستہ ہونے میں نہ آ رہا تھا۔ ہم چبوترے کے پاس سے گزرے تو بائیں طرف چٹائیوں پر ابھی کچھ لوگ ورد و وظیفے

دوسری طرف چارپائیوں پر دنیا کے روگی، راندہ درگاہ جسم اور دل کے داغوں سے بے زار، شفا اور شفاعت کی لیے مایوس صورت بیٹھے تھے۔

دریے پاک پر بھی دنیا کا ہر وہ رنگ موجود تھا جو اللہ کی مخلوق کا نظام ہے۔ دنیادار، سیانے، عاشق، دیوانے، فقیر سوز، رقت سے لبریز، چور اور چوری سے بیزار چور، خیرات میں سب کچھ بانٹ ڈالنے والے، اپنی بچی کو بیچ کر بچی کا نکاح کروانے والے، راست باز دروغ گو...... ایک اللہ کا رنگ وحدت کی سفید روشنی، املتاس کے درخت میں ان گنت رنگوں میں بٹ گئی تھی۔ املتاس کا درخت مخلوط مستوی (Prism) تھا جس میں سے وحدت کی ایک کرن ہو کر دوسری جانب کثرت کے رنگوں میں بدل گئی تھی۔ تھڑے پر چٹائیوں کے اوپر، دہلیزوں پر، چارپائیوں پر اللہ کی وحدت نے کثرت کا روپ دھار لیا تھا۔

اس دن سدا سہاگنیں تھکی ہاری روٹی کھانے میں مشغول تھیں۔ دو بھرائی خوب سرسوں کا تیل لگائے بالوں کی بے چسکے لے رہے تھے۔ ایک درمیانی عمر کا فربہ جسم، عیاش صورت ہڈی سے گودا نکالنے کی غرض سے اسے ہتھیلی پر اگر وہ سدا سہاگن نہ ہوتا تو ضرور کامیاب ٹرک ڈرائیور رہوتا۔ اس کی ناک چھدی ہوئی تھی جس میں چاندی کی سر پر ریشمی پٹکا تھا۔ جب وہ ناچتا تو اسی پٹکے کا گھونگھٹ بنا لیتا۔

ہم آہستہ آہستہ چلتے بابا جی کے پاس پہنچے۔ وہ اس وقت ایک روگی کو چینی کے ساتھ روٹی کھلا رہے تھے۔ ہر نوالہ کے منہ میں بھی خود ڈالتے اور ہر بار مسکرا کر اسے کھانے پر آمادہ کرتے۔

''لو جی بڑی خیر ہوگئی...... یہ دو ٹکیاں اور...... بس۔''

بروگی لڑکے نے بیزار ہو کر کہا...... ''بابا جی یہاں رولا بہت ہے...... مجھے رولے سے قے آتی ہے۔''

''ناں پتر ناں...... یہاں کوئی رولا نہیں...... رولا تو وہاں ہوتا ہے جہاں مولا نہ ہو۔ یہاں تو مولا ہی مولا

حسب عادت ہمیں بابا جلال نیچے تہہ خانے میں لے گیا۔ وہی منظر۔ فرش پر سندھی اجرک کا فرش، نیچے روئی سرکنڈوں کی چھتوں کے ساتھ ساتھ چھینٹوں کے پرنٹ کے گاؤ تکیے، دیواروں پر جا بجا عقیدت مندوں کی پاجامے، تہمدیں کھونٹیوں سے ٹنگی ہوئیں۔ سارے میں بھونے ہوئے پھول مکھانوں کی خوشبو۔ تھوڑی دیر بعد بابا ہو لکتے ہوئے آ گئے۔

''بڑی تکلیف ہے بابا جی۔'' عفت بولی۔

''بڑی خیر ہوگئی...... بیٹھو بیٹھو...... بیٹا! تکلیف سواری ہوتی ہے۔ جب تک تکلیف سواری نہ بنے یہاں تک نہیں سکتا۔''

''پتہ نہیں مجھ سے کیا خطا ہوگئی ہے بابا جی! جس کی اتنی بڑی سزا ملی ہے۔'' عفت نے دکھ سے کہا۔

''جب تک انسان سے خطا نہ ہو، رب کی طرف سے عطا نہیں ہوتی۔ صاحبو جان لو، جتنی بڑی خطا ہوگی اتنی عطا ہونے والی ہے۔ بشرطیکہ انسان سچے دل سے توبہ کر لے۔'' حجرے میں سے بے شک بے شک کی آوازیں